ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.2 (2025)
(April to June)

مزاحمت اور مزاحمتی پنجابی شاعری

Resistance and Punjabi Resistance Poetry

روبینہ ناز

ایم۔فل اسکالر، شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر زیب النسا

شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Robina Naz
M.Phil Scholar, Department of Pakistani Languages, AIOU, Islamabad
Dr. Zaib Un Nisa
Department of Pakistani Languages, AIOU, Islamabad

Abstract:
This research paper explores the etymology concept, meaning, and expression of word resistance. This paper focuses on how Punjabi poets used literary language to express the exploitation, social injustice, political oppression, and class distinction. Punjabi poetry has always served as a powerful medium of voice to marginalized communities and fostering collective consciousness. Through thematic and textual analysis of selected instances of Punjabi poetry, the research investigates how resistance transforms from personal sufferings to collective struggle. This paper further examines how cultural identity, folk tradition, and revolutionary thought shape the nature of resistance in Punjabi literary discourse. The study concludes that Punjabi poetry serves as a medium of expression for common folk since beginning from Baba Fareed tills to date. This paper elaborates the above themes with suitable examples.

Keywords: Resistance, Punjabi Poetry, exploitation, Oppression, Expression, Social Justice, Class distinction

مزاحمت کا لفظ اردو میں عربی زبان کے لفظ "زحم" سے مشتق ہے۔ عربی میں زحم کے معنی ٹکرانا کے بھی ہیں اور بھیڑ کرنے والے لوگ کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اردو میں اگرچہ مزاحمت عربی "زحم" سے ہے لیکن عربی میں مزاحمت کے عمل کے لیے مقاومہ یا معارضہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ انگریزی زبان میں مزاحمت کے لیے Resistance کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مزاحمت کے مفہوم اور معنی کی وضاحت کے لیے جب ہم مختلف لغات کی طرف بڑھتے ہیں تو جواہر اللغات میں مزاحمت کے یہ معنی "رکاوٹ، ممانعت، روک ٹوک اور اٹکاؤ کے سامنے آتے ہیں۔"(۱) علمی اردو لغت میں مزاحمت کے مطالب میں روک، ممانعت اور تعرض شامل ہیں(۲)، فرہنگ آصفیہ میں مزاحمت کے معنی روک، تعرض، روک ٹوک، اٹکاؤ اور ممانعت درج کیے گئے ہیں(۳)، جب کہ فیروز اللغات میں مزاحمت سے مراد روک، تعرض اور ممانعت لیا گیا ہے(۴)۔

مزاحمت کا ایک مفہوم وارث سرہندی کے ہاں بھی سامنے آتا ہے۔ وہ اس لفظ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے، اس کے مترادفات یا ہم معنی الفاظ کی جو فہرست ترتیب دیتے ہیں اس کو دیکھا جائے تو مزاحمت، ممانعت، مدافعت، خلل اندازی، تعرض، رخنہ اندازی، روک، رکاوٹ اور کھنڈت کے معنوں میں سامنے آتی ہے۔(۵)

مزاحمت کے انگریزی مترادف Resistance کے مفہوم کا جائزہ لیا جائے تو انگریزی میں Resistance کے بھی وہی معنی سامنے آتے ہیں جو اردو میں "مزاحمت" کے ہیں۔ اے ایس ہارنبی Resistance کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے مزاحمت یا Resistance کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مزاحمت Resistance کے معانی کسی کی مخالفت میں طاقت استعمال کرنا، رکاوٹ پیدا کرنے یا روکنے کے لیے اثر انداز ہونا یا مجبور کرنا، مخالفت کرنے کی خواہش کرنا اور مدافعت کرنا مراد ہوتے ہیں۔"(۶)

مزاحمت کے ان معانی سے آگاہی کے بعد جب ہم اس کے اصطلاحی مفہوم کی طرف بڑھتے ہیں تو اس کا مطلب کسی ناپسندیدہ عمل کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا اور اپنے رد عمل کا اظہار کرنا ہی قرار پاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقیات کے حوالے سے دیکھا جائے تو مزاحمت سے مراد وہ عمل ہے جو مخالفت کرنے، اتفاق نہ کرنے اور حکم نہ ماننے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مزاحمت کا عمل چوں کہ زندگی کے ہر شعبے میں جاری رہتا ہے۔ کوئی بھی شعبۂ حیات ہو، اس سے وابستہ افراد کے اعمال اور افعال کے خلاف کسی نہ کسی صورت میں مزاحمتی رویہ بھی سامنے آتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں اس اصطلاح کے مفاہیم واضح ہیں۔ ان کا جائزہ لیں تو اس حقیقت سے آشنائی ہوتی ہے کہ ان تمام مفاہیم میں کافی حد تک اشتراکات پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام مفاہیم مزاحمت کو روکاوٹ، اور رد عمل کے طور پر سامنے لاتے ہیں۔

ادب زندگی کا اہم شعبہ ہے جو زندگی کی عکاسی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی سماجی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔ سماج میں پروان چڑھنے والے مختلف رویوں کے خلاف ایک ادیب اپنے احساسات اور خیالات پیش کرتا ہے۔ ادیب سماج کا حساس انسان ہونے کی وجہ سے سماجی ناہمواریوں کو دیگر افرادِ معاشرہ کی نسبت زیادہ باریک بینی سے دیکھتا ہے اور ان کے خلاف اپنا رد عمل مزاحمتی انداز میں پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے ادب میں مزاحمتی رجحان کسی نہ کسی سطح پر ضرور موجود رہا ہے۔ بعض اوقات تو ادب میں یہ مزاحمتی رجحان اتنے توانا انداز میں سامنے آیا کہ "مزاحمتی ادب" کی اصطلاح بھی وضع کی گئی۔ مزاحمتی ادب کی اصطلاح کا جائزہ لیا جائے تو اس بارے میں بھی مختلف تصورات سامنے آتے ہیں کہ ادب میں مزاحمت کی اصطلاح کا چلن کب شروع ہوا۔ عموماً فرانس میں مزاحمتی تحریک کے زیر اثر تخلیق ہونے والے ادب کے لیے مزاحمتی ادب کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، تاہم باربرا ہالو (Barbara Harlow) کے مطابق ادب میں مزاحمت کی اصطلاح کا استعمال کرنے کا سہرا غسان کنعفانی (Ghassan Kanafani) کے سر ہے۔ اس ضمن میں باربرا کا یہ بیان ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ:

> "The term "Resistance" (Muqawamah) was first applied in a description of Palestine literature in 1966 by the Palestinian writer and critic Ghassan Kanafani in his study literature of Resistance in occupied Palestine:1948-1966" (۷)

مزاحمتی ادب کے بارے میں باربرا کے ان خیالات کی تائید اردو کے بعد ناقدین اور محققین بھی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں شہرت بخاری مزاحمتی ادب کی اصطلاح کا جائزہ لیتے ہوئے اردو میں اس کے استعمال کے بارے میں لکھتے ہیں"

"میرا خیال ہے کہ فلسطینی ادیبوں کی پیروی میں ہم نے مزاحمتی ادب کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے۔"(۸)

ڈاکٹر محمد صادق اگرچہ فلسطینی مزاحمت کاروں کی طرف سے ہونے والی مزاحمت کی پیش کش اور صہیونی ریشہ دوانیوں کے خلاف فلسطینی کے ادبا کے رد عمل کو بھی مزاحمتی ادب شمار کرتے ہیں تاہم ان کے خیال میں مزاحمتی ادب یا ادب میں مزاحمت کی اصطلاح کا استعمال اس سے پہلے الجزائر میں ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں ان کا کہنا ہے کہ:

"کلمہ "ادب المقاومتہ" یا ادبیات مقاومت کی اصطلاح عالم اسلام میں استعمار کے خلاف جنگوں کے دوران میں مغرب کے عرب ملکوں، خصوصاً الجزائر میں رائج ہوئی۔۔۔۔ بعد میں صہیونیوں کے خلاف جنگ کے دوران میں فلسطین میں مقاومتی شاعری معرضِ اظہار میں آئی۔"(۹)

ادب زندگی اور سماج کا آئینہ ہوتا ہے۔ جوں جوں زندگی اور سماج پروان چڑھتے چلے جاتے مختلف موزوں اور نامساعد رجحانات بھی سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ ان رجحانات کے خلاف رد عمل بھی م مزاحمتی اندازمیں سامنے آتا چلا جاتا ہے۔ جب ادب میں کسی سماج کی پیش کش ہوتی ہے تو ادیب بھی ان رجحانات کے خلاف مزاحمتی پیرایہ اختیار کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادب میں مزاحمت کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود ادب ہے۔ ادب میں مزاحمت کے حوالے سے اوپر جو خیالات پیش کیے گئے ہیں وہ مزاحمتی رویے کے حوالے سے نہیں بلکہ "مزاحمتی ادب" کی اصطلاح کے حوالے سے ہیں کہ ایسا ادب جو مزاحمتی رجحانات اور رویوں سے ہمکنار ہوتا ہے اسے مزاحمتی ادب کب کہا جانے لگا۔ جہاں تک ادب میں مزاحمتی رجحانات کے پروان چڑھنے کا تعلق ہے تو اس کی قدامت ادب کی قدامت جتنی ہی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"مزاحمتی ادب جدید دور کی اصطلاح ہے مگر مزاحمتی رویہ اور اس پر مبنی سوچ اور احساس بے حد قدیم ہے۔ غالباً اتنی ہی قدیم جتنی انسان کی آزاد رہنے کی خواہش۔ مزاحمتی رویہ / مزاحمتی سوچ / مزاحمتی ادب۔۔۔ دوسری جنگ عظیم مین جرمنی کے زیر تسلط علاقوں بالخصوص فرانس میں جرمن اقتدار کے خلاف قوم پرست، آزادی پسند اور محبت وطن افراد نے جو زیر زمین تحریک شروع کر رکھی تھی، اس کے لیے یہ سب الفاظ استعمال ہوتے تھے اور کم و بیش اسی مفہوم میں یہ مروج و مقبول رہے۔"(۱۰)

ڈاکٹر سلیم اختر کے ان خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزاحمتی رجحان اور رویہ دورِ قدیم سے ہی ادب کا اہم عنصر رہا ہے تاہم اسے مزاحمتی ادب کے نام سے پکارا جانے کا آغاز جرمنی کی مزاحمتی تحریک سے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ایک بیان ڈاکٹر انیس ناگی کا بھی ملتا ہے۔ انیس ناگی نے ژاں پال سارتر کے اس قول کو بنیاد بنایا ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

"ہم کبھی بھی اتنے آزاد نہیں تھے جتنا جرمنوں کے تسلط کے دوران میں تھے۔ ہمیں تمام حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ ہمیں بات کرنے کا حق بھی میسر نہیں تھا۔ ہر روز

ہماری توہین کی جاتی تھی اور ہمیں سب کچھ چپ چاپ سہنا پڑتا تھا۔ وہ لوگ جو زیرِ زمین
کام کر رہے تھے، ان کی کشمکش کے احوال نے ہمیں ایک نئی قسم کا تجربہ عطا کیا۔"(۱۱)

انیس ناگی نے اسی نئی قسم کے تجربے کو ہی مزاحمتی ادب سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تجربہ ہی دراصل ناانصافیوں اور سماجی ناہمواریوں کے خلاف ردعمل کا ایک اظہار ہوتا ہے۔ مزاحمتی ادب کے حوالے سے دیکھا جائے تو دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف زبانو ں میں تخلیق ہونے والے ادب میں مزاحمتی رجحانات اور مزاحمتی رویے بہت پہلے سے شروع ہو چکے تھے۔ کارل مارکس کے مزاحمتی رویوں، لینن کے مزاحمتی خیالات اور دیگر بہت سے مفکرین نے مشرق و مغرب میں مزاحمتی ادب کو پروان چڑھایا۔ یعنی ادب میں مزاحمتی سوچ بہت پہلے سے چلی آ رہی ہے تاہم ایسے ادب کو مزاحمتی رجحانات اور مزاحمتی سوچ کا حامل ہوتا ہے، "مزاحمتی ادب" کہنے کا رواج بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں زیادہ مضبوطی سے سامنے آیا۔

مزاحمتی ادب کے حوالے سے دیکھا جائے ادب میں مزاحمتی رجحانات کسی ایک خاص صنف تک محدود نہیں رہے بلکہ ادب کی مختلف اصناف میں مزاحمتی رویہ اور سوچ پروان چڑھتی اور اپنا اظہار کرتی رہی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف خطوں میں متنوع انداز میں ہونے والی مزاحمت کی وجہ سے ادب میں بھی یہ اصطلاح متنوع مفاہیم سے سامنے آتی رہی جس کی وجہ سے ادب میں "مزاحمتی ادب" کی اصطلاح کی جامع تعریف سامنے نہ آ سکی۔ تاہم بعض ناقدین نے اس قسم کے ادب کے لیے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان سے مزاحمتی ادب کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ زکریا، مزاحمتی ادب کو بہت وسیع معنوں میں لیتے ہوئے ہر لکھنے والے کے ہاں اس کی کوئی نہ کوئی صورت لازمی موجود پاتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"اگر مزاحمتی ادب سے مراد وہ ادب ہے جو معاشرے کو جبر، ناانصافی، ظلم، تشدد، وغیرہ
سے نجات دلانے کے لیے ظالم سے آمادۂ جنگ کرتا ہے تو ہر لکھنے والے کی کوئی نہ کوئی
تحریر اس ضمن میں شمار کی جا سکتی ہے۔"(۱۲)

عالمی ادب کا مطالعہ کیا جائے تو ہر وہ خطہ اور ہر وہ سرزمین جہاں انسانی حقوق کی پامالی، زبان و بیان کی پابندیوں یا ظلم و تشدد کا بازار گرم رہا، وہاں مزاحمتی ادب بڑے توانا انداز میں ابھر کر سامنے آیا۔ سماج کا ایک حساس فرد ہونے کے ناتے ادیب سماج میں ہونے والی ناانصافیوں کو گہری نظر سے دیکھتا اور اس کے خلاف اپنے مزاحمتی رویے کا اظہار کرتا ہے۔ اس ضمن میں ہم محمود درویش کی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ جس طرح کے حالات کا سامنا فلسطینیوں کو کرنا پڑا، کسی دور میں فرانسیسی بھی اسی طرح کے حالات سے گزر چکے تھے۔ محمود درویش نے جو ادب تخلیق کیا، اس میں نہ صرف فلسطین پر توڑے جانے والے مظالم کے خلاف مزاحمت ملتی ہے بلکہ وہ ہر باضمیر شخص کے ذہن کی آواز بن کر ابھرے۔ اس ضمن میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف اٹھنے والی ہر ادبی آواز میں خاصا تحرک اور خاصی طاقت پنہاں ہوتی ہے۔ وہ جب اپنا اظہار کرتی ہے تو اس کے اثرات بھی خاصے گہرے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ مزاحمتی ادب تخلیق کرنے والا ادیب انسانی حقوق اور ان کی پامالی سے نہ صرف آگاہ ہو بلکہ ان حقوق کی پامالی کو محسوس کرتے ہوئے اپنے تخیل کی بلند پروازی اس مقصد کے لیے استعمال کرنے کے ہنر سے بھی واقف ہو۔ ژاں پال سارتر جب یہ کہتے ہیں:

"ادیب کا قلم اس کا ہتھیار ہے"(۱۳)

تو حقیقی معنوں میں وہ مزاحمتی ادب کی ہی بات کرتے ہیں۔ ایسا ادیب جو سماجی ناہمواریوں، ناانصافیوں اور سماجی مظالم کے خلاف مزاحمت نہیں کر سکتا وہ کبھی بھی سچا اور کھرا ادب تخلیق نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے وہ ادیب جنہوں نے نامساعد حالات کا سامنا کیا اور انسانی حقوق کی پامالی کے ادوار میں اپنی فکر، سوچ اور اپنے تخیل کو حقوق کی اس پامالی کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، وہ ادب کو جنگی ہتھیار سے کم خیال نہیں کرتے۔ بریخت کا شمار دنیائے ادب کی ان نامور شخصیات میں ہوتا ہے جن کے خیالات میں مزاحمتی رویہ پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ۴۱-۱۹۴۰ میں ایک مقالہ "ادب اور حقیقت پسندی" کے عنوان سے تحریر کیا۔ اس مقالے میں بھی وہ ادب کے ذریعے مزاحمت کا درس دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قلم کے ذریعے جنگ کرو اور یہ ثابت کر دو کہ تم جنگ کر رہے ہو۔ یہی حقیقت پسندی ہے اور حق تمہارا ساتھ دے گا۔ تم کسی سے خوف نہ کھاؤ۔ عوام کی رائے، ضروریات اور دشواریوں کا جائزہ لے کر ان کا حل تلاش کرو۔ اور تم دیکھو گے کہ اس جنگ میں تم تنہا نہیں ہو بلکہ قارئین بھی شامل ہیں۔"(۱۴)

بریخت کے ان خیالات سے مزاحمتی رجحان کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کے خیالات کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سماج کے پسے ہوئے اور مظلوم طبقے کی آواز ادب کے ذریعے بلند کرنے کے خواہاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ادیب کے فرائض میں یہ بھی شامل کیا کہ وہ سماج کے اس پسے ہوئے اور مظلوم طبقے کی آواز بنے اور ان کے حقوق کی پامالی کے خلاف جنگ کرتے ہوئے ان حقوق کی بقا اور بحالی کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> "ایک ادیب کا فرض ہے کہ وہ تمام مزدوروں اور مظلوم و مجبور لوگوں کے لیے قلم کے ذریعے جنگ کرے اور تمام ظلم و استحصال کا پردہ چاک کر دے۔"(۱۵)

بریخت ادیب کے لیے جو لازمی فریضہ قرار دیتا ہے، وہ معاشرتی مساوات اور معاشرتی امن کے لیے بھی ضروری ہے۔ سماج میں جب نچلے طبقے پر ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، ان کا استحصال کیا جاتا ہے تو سماجی منظر نامہ مکدر ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے سماج میں طبقاتی تفریق کے ساتھ ساتھ طبقاتی کشمکش بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس کشمکش سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ سماج میں نچلے اور مظلوم طبقے کے حقوق کا شعور اجاگر کیا جائے اور ان حقوق کی پامالی کے خلاف ادب کے ذریعے مزاحمت کی جائے تاکہ سماجی مساوات اور سماجی انصاف کی راہ ہموار ہو سکے۔

ایک ادیب اور شاعر کا بڑا فریضہ یہی قرار پاتا ہے کہ وہ ایسے استحصالی رویوں اور استحصالی عناصر کے خلاف ادبی محاذ پر اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کرے۔ ایسی صورت میں وہ جو بھی ادبی نگارشات پیش کرے گا، وہ مزاحمتی ادب میں شمار ہوں گی۔ ماج میں جب انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہو اور بالخصوص حکمران، مقتدر اور اعلیٰ طبقے کے ذریعے نچلے اور مظلوم طبقے کا استحصال کیا جا رہا ہو، تو ایسی صورتحال میں ادیب کسی طرح بھی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ سماج کے دیگر شعبہ جات کی طرح ادیب پر بھی اس وقت یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مزاحمتی رویہ اختیار کرے۔ استحصالی عناصر کے خلاف ادبی محاذ پر اپنی آواز بلند کرے اور کسی خوف کو خاطر میں نہ لائے۔ کارل مارکس کے نزدیک اگر کوئی ادیب حقوق کی پامالی اور استحصال کے دور میں بھی مزاحمتی رویہ اختیار نہیں کرتا اور اپنی زبان بند رکھتا ہے، تو وہ ادیب تو کجا انسان کہلانے کا بھی حق دار نہیں ہے۔ اس ضمن میں مارکس اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتا ہے۔

He who has a tongue and does not speak,
Who has a sword and does not fight,?

What is he indeed but a wretched wight (16)

کارل مارکس کے ان خیالات کا جائزہ لیا جائے تو اس کے نزدیک وہ شخص جو زبان تو رکھتا ہے لیکن بولتا نہیں ہے اور تلوار رکھنے کے باوجود باطل او راستحصالی قوتوں کے خلاف بر سرِپیکار نہیں ہوتا، اس کی حیثیت جبر زدہ خاموش تماشائی سے زیادہ نہیں ہے۔ کارل مارکس کے ان خیالات سے ملتے جلتے خیالات ہی ڈاکٹر صادق آئینہ وند کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ وہ مزاحمتی ادب قرار ہی ایسے ادب کو دیتے ہیں جو ان ظالم اور استحصالی رویوں کے خلاف تلوار کا کام کرتا ہے۔ اس ضمن میں وہ مزاحمتی ادب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مزاحمتی ادب، ایسی مزاحمتی آواز ہے، جو ہر گز خاموش نہیں ہوتی۔ جو کسی بھی وقت لوگوں سے دور نہیں ہوتی، خواہ تلواروں اور نیزوں نے لوگوں کو مسخر کر لیا ہو۔ مزاحمتی ادب ایک بلند، لگاتار اور مؤثر آواز کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہ آواز جنگ کے دوران میں ہمیشہ مجاہدوں کی معاون ہوتی ہے اور کبھی سرگوشی کا رنگ اختیار کر لیتی ہے تاکہ ملی مزاحمت کے دردمندوں کے زخموں پر مرہم رکھے، لیکن یہ کبھی خاموش نہیں ہوتی۔ مزاحمتی ادب ہمیشہ کسی ملک یا قوم سے وابستہ لوگوں کا طرف دار ہوتا ہے ان کے حالات و مناسبات کے مطابق دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے انھیں یک جہتی کا درس دیتا ہے۔"(۱۷)

ڈاکٹر صادق کے ان خیالات سے مزاحمتی ادب کی وضاحت بڑے مؤثر انداز میں ہوتی ہے۔ انہوں نے اسے قوم اور ملک کی آواز قرار دیا ہے جو ظلم او راستحصال کے خلاف اٹھتی ہے اور سماجی امن اور سماجی مساوات کا سبب بنتی ہے۔ ادبی سطح پر مزاحمت کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر خیال امروہوی لکھتے ہیں:

> "مزاحمت کا مفہوم تو یہی ہے کہ سماجی برائیوں کو روکنے کے لیے فکر اور جرأت کو کام میں لاتے ہوئے ادبی نقطہ نظر سے محاذ قائم کرنا اور مزاحمتی رویے سے اپنی کمٹمنٹ پر قائم رہنا۔ مزاحمت ہمیشہ شر کو روکنے، خیر کو تحلیل کرنے اور اسے سماج میں رائج کرنے کے لیے کی جاتی ہے اگر غیر سیاسی ادب میں بھی ایسا مزاحمتی رویہ یا حکمت عملی موجود ہو تو وہ بھی مزاحمتی ادب کہلائے گا۔"(۱۸)

مزاحمت اور مزاحمتی ادب کی اس بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزاحمت کا رویہ ہر انسان میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ انسان غیر موزوں اور نامناسب رویوں اور رجحانات کے خلاف کسی نہ کسی صورت میں اپنے مزاحمتی رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ ایک ادیب سماج کا حساس فرد ہونے کے ناتے، مزاحمتی حوالے سے زیادہ متحرک ہوتا ہے۔ وہ سماجی ناانصافیوں، ناہمواریوں اور سماجی استحصال کے خلاف جب ادب کے ذریعے اپنی آواز بلند کرتا ہے تو وہ قارئین کے ایک وسیع حلقے کو بھی اپنا ہمنوا پاتا ہے۔ اس کے ادبی خیالات اور افکار جب مزاحمتی فکر کے ساتھ سامنے آتے ہیں تو استحصالی عناصر کے خلاف ایک مضبوط آواز بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں مزاحمتی رویہ خاصا توانا دکھائی دیتا ہے۔ پنجاب کی سرزمین نے ہر دور میں استحصالی عناصر کے خلاف مزاحمت کی ہے۔ یہ مزاحمت ہر محاذ پر جاری رہی ہے۔ ادبی حوالے سے دیکھا جائے تو پنجابی ادب کی متنوع اصناف میں مزاحمت کا رنگ ملتا ہے۔ پنجابی ادب

میں لکھے گئے ناول، افسانے اور دیگر نثری اصناف میں مزاحمتی عناصر پوری طرح کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مزاحمتی عناصر اس وقت زیادہ شدت سے سامنے جب ترقی پسند تحریک کا ڈول ڈالا گیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ اس خطے کی دیگر زبانوں کے ادبی منظر نامے پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے یوں ہم دیکھتے ہیں کہ اس تحریک کے زیر اثر تخلیق ہونے والے ادب میں جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ استحصال کے خلاف توانا مزاحمتی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ پروفیسر شریف کنجاہی لکھتے ہیں:

> "پنجابی ادب زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ پنجابی شاعری و فن کا زمین سے گہرا رشتہ ہے۔ اس لیے اس کے ہاں زندگی اپنی تمام تازگی و توانائی کے ساتھ موجود ہے۔ یہ درست ہے کہ اس کا محرک زندگی کا براہِ راست مشاہدہ اور مطالعہ ہے اور اکثر نجی یا سماجی تقاضے ہی اس کا موضوع ہوتے ہیں اور شاعر اپنے آپ میں اور معاشرے میں ایک قسم کی ہم آہنگی محسوس کرتا ہے۔"(۱۹)

پنجابی ادب نے پاکستان کے بعد مارشل لاء کے دور میں بھی مزاحمتی رویہ برقرار رکھا۔ اگرچہ مختلف ادوار میں زبان و بیان کی پابندیوں نے ادبی فضا کو خاصی مشکلات کا شکار بھی کیا اور ادبا نے عام روش سے ہٹ کر علامتی طرزِ اظہار بھی اختیار کیا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ پنجابی ادب میں مزاحمت کی روایت نہ صرف ہر دور میں برقرار رہی بلکہ پھلتی پھولتی بھی رہی۔

پنجابی شاعری میں مزاحمت

پنجابی شاعری کی تاریخ خاصی طویل ہے۔ پنجابی زبان کے آغاز سے لے کر جدید عہد تک پنجابی شاعری کی ایک طویل روایت موجود ہے۔ اس روایت کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت سے آشنائی ہوتی ہے کہ ہر دور کی پنجابی شاعری میں کسی نہ کسی حوالے سے مزاحمتی سوچ اور مزاحمتی فکر کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ پنجابی شاعری کی روایت کو مضبوط بنانے والے شعرا کرام بالخصوص صوفیاء شعرا کے ہاں سماجی برائیوں اور سماجی ناہمواریوں کے خلاف مزاحمتی رجحان خاصا توانا انداز میں ابھرتا دکھائی دیتا ہے۔ پنجابی شاعری میں مزاحمت کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو اس ضمن میں ہمارے سامنے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ پنجابی میں صوفی شعرا نے نہ صرف پنجابی شاعری اور پنجابی ادب کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا بلکہ ان صوفی شعرا نے پنجابی شاعری کو فکری و موضوعاتی حوالے سے وسعت بھی بخشی۔ ان صوفی شعرا نے سماجی رویوں، سیاسی اور انتظامی بد دیانتیوں اور علم کے نام پر جہالت اور گمراہی پھیلانے والوں پر کڑی تنقیدی کرتے ہوئے، ان کے خلاف مزاحمت کی۔

بابا فرید پنجابی شاعری کا ایک ایسا نام ہے جنہوں نے تصوف کے ذریعے عوام الناس کی اصلاح کی کوشش کی۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اصلاح کے اہم فرض پر مامور ہر شخص کے ہاں کسی نہ کسی حوالے سے سماجی برائیوں اور سماجی ناہمواریوں کے خلاف مزاحمت ملتی ہے۔ بابا فرید کا شمار بھی ایسے ہی شعرا میں ہوتا ہے جن کے ہاں سماجی ناہمواریوں کے خلاف مزاحمت ملتی ہے۔ بابا فرید نے اپنی زندگی میں شہاب الدین غوری سے لے کر ناصر الدین محمود تک کئی بادشاہوں کا دور دیکھا، لیکن وہ اس شاہی جاہ و حشمت سے ہمیشہ دور رہے اور عوام الناس کو بھی فقر کا درس دیتے رہے۔ ان کے ہاں جو مزاحمتی عناصر ملتے ہیں ان میں مجموعی سماجی ناہمواریوں کے ساتھ ساتھ حرص اور ہوس جیسے رویوں کی حوصلہ شکنی کا درس ملتا ہے۔ وہ ان عناصر کے خلاف مزاحمتی رویہ اختیار کرتے ہیں جو تکبر اور غرور کو اپنا شعار بنائے ہوئے۔ ان کے ہاں عاجزی اختیار کرنے کا درس ملتا ہے۔ وہ انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے اس کو راہ راست پر چلنے کا درس دیتے ہیں۔ شاہ حسین پنجابی شاعری کی روایت کا ایک اور اہم نام ہے۔ مزاحمتی حوالے سے دیکھا جائے تو شاہ حسین

نے ان مذہبی ملاؤں اور مذہبی تعلیمات سے بغاوت کی تھی، جو ان کے نزدیک انسان کو فقر کی بجائے عالمانہ تکبر کی طرف لے کر جاتے ہیں۔ شاہ حسین نے زیادہ تر کافیاں لکھی ہیں، ان کافیوں میں ان کے ہاں مذہبی حوالے سے مزاحمتی عناصر سامنے آتے ہیں۔

پنجابی شاعری میں سلطان باہوؒ کا شمار ایک ایسے صوفی شاعر کے طور پر سامنے آتا ہے جن کے ہاں سماجی اصلاح کا جذبہ خاصا توانا ملتا ہے۔ وہ انسان کے باطن کی اصلاح پر زور دیتے ہیں اور ایسے سماجی اور ذہنی رویوں کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں، جو انسان کے ظاہر اور باطن میں تضاد پیدا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں جو بڑا مزاحمتی رویہ ملتا ہے وہ دنیاداری کے خلاف مزاحمت ہے۔ وہ انسان کو اس حقیقت کا درس دیتے ہیں کہ جب اس نے دین کو اختیار کر کے اخروی فلاح کی طرف جانا ہے تو دنیا کی ہوس سے دور ہونا ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

دین تے دنیا سکیاں بہناں عقل نہیں سمجھیند اہو
دویں اکس نکاح وچ آون شرع نہیں پھر میند اہو
جیوں اگ تے پانی تھاں اکو وچ واسا نہیں کریند اہو
دوہیں جہانی مٹھے باہو جنہاں دعویٰ میں داہو (۲۰)

سلطان باہوؒ کے ہاں تکبر، میں، غرور اور ایسے ذہنی اور نفسیاتی رویوں کے خلاف مزاحمتی رنگ ملتا ہے۔ وہ انسان کو عاجزی اختیار کرتے ہوئے سماجی رویوں کی اصلاح اور نفس کی پاکیزگی کا درس دیتے ہیں۔ پنجابی مزاحمتی شاعری میں بابا بلھے شاہ ایک ایسا نام ہے جن کے ہاں ہمیں سماجی رویوں بالخصوص نام نہاد ملاّؤں کے خلاف مزاحمت بڑے توانا انداز میں ملتی ہے۔ بلھے شاہ کا تعلق جس سماج سے تھا وہ اس سماج میں سماجی روایات اور اقدار کے داعی تھے۔ وہ ان سماجی عناصر کے خلاف کھل کر مزاحمت کرتے ہیں جو علم کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر علم کو استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں عموماً علماء طبقے کے ان افکار کے خلاف خاص طور پر مزاحمت ملتی ہے، جن کی وجہ سے عوام الناس گمراہی کا شکار ہو رہے تھے۔ بلھے شاہ ان نام نہاد ملاّؤں کے خلاف مزاحمت کا علم بلند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تنبا چُک چُک منڈی جاویں، دھیلا لے کے چھری چلاویں
کھانا شک شبھے دا کھاویں، دسیں ہور تے ہور کماویں
علموں بس کریں او یار!
علموں بس کریں او یار! (۲۱)

بلھے شاہ کے ان اشعار کو دیکھا جائے تو ان کی مزاحمتی فکر سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ نام نہاد ملاّؤں کی منافقت اور دوغلے پن کے خلاف تھے۔ وہ اس حقیقت کو آشکا کرتے ہیں یہ نام نہاد ملاّ اپنے پیٹ کی خاطر شریعت اور مذہب کو پس پشت ڈالنے سے گریز نہیں کرتے۔ شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ حلال حرام کے معاملے میں جہاں شک پیدا ہو اس چیز کو چھوڑ دو لیکن یہ نام نہاد ملا اس شک شبھے کے کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ عوام کو کچھ بتاتے ہیں اور خود کچھ کرتے ہیں۔ بلھے شاہ نے علم کے زور پر ان بے عمل ملاّؤں کے خلاف کھل کر مزاحمت کی اور اس کا خمیازہ انہوں نے نہ صرف زندگی بھر بھگتا بلکہ مرنے کے بعد بھی انہی بے عمل ملاّؤں نے ان کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ بلھے شاہ زندگی بھر ان بے عمل عالموں اور ان کے منافقانہ رویوں کے خلاف کھل کر مزاحمت کرتے رہے۔

پنجابی شاعری میں سماجی برائیوں اور سماجی ناہمواریوں کے خلاف مزاحمت کا چلن تو حضرت سلطان باہوؒ، بابا فریدؒ، بابا بلھے شاہؒ، وارث شاہ اور دیگر کئی پنجابی شعرا کے ہاں ملتا ہے۔ یہ مزاحمتی سلسلہ صرف مسلمان پنجابی شعرا کے ہاں نہیں ملتا بلکہ درشن سنگھ آوارہ، امرتا پریم اور دیگر کئی ہندوستانی پنجاب سے تعلق رکھنے والے پنجابی شعرا کے ہاں بھی مزاحمت کی توانا آواز بلند ہوتی رہی ہے۔ ان شعرا نے انسانی حقوق اور انسانی ذمہ داریوں کا انسان کو احساس بھی دلایا اور ان سے روگردانی کی صورت میں مزاحمتی فکر کو بھی پروان چڑھایا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پنجابی شاعری کا دامن فکری و موضوعاتی حوالے سے وسیع ہوتا ہے چلا گیا۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ جدید عہد تک پہنچتے پہنچتے پنجابی شاعری میں دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ مزاحمتی موضوعات بھی بڑی مہارت سے برتے جانے لگے۔ یہاں ہم پنجابی کے ان نمائندہ شعراء کے ہاں مزاحمتی شاعری کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں جنھوں نے مختلف سماجی اور انسانی حقوق کی پامالی اور انسانی محرومیوں کے خلاف مزاحمتی آواز بلند کی۔ استاد دامن کا شمار پنجابی کے معروف شعرا میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں سماجی ناہمواریوں کے ساتھ ساتھ سماجی استحصال کے خلاف مضبوط مزاحمتی آواز بلند ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ وہ استحصالی عناصر کی کارستانیوں اور ان کی وجہ سے پیدا ہونے والی سماجی تفریق اور سماجی استحصال کے خلاف اپنے کرب کا اظہار مزاحمتی انداز میں یوں کرتے ہیں:

ایہناں　　آزادیاں　　ہتھوں　　برباد　　ہونا
ہوئے　تسی　وی　　او　،　ہوئے　اسی　　وی　آں
جاگن　　والیاں　　رج　　کے　　لٹیا　　اے
سوئے　　تسی　　او　،　سوئے　اسی　وی　آں
لالی　　اکھیاں　　دی　　پئی　　دس　　دی　　اے
روئے　　تسی　　وی　او　،　روئے　اسی　وی　آں　(۲۲)

استاد دامن کے ہاں جو مزاحمت ملتی ہے، وہ سماج کے ایسے لوگوں کے حق میں ہے جو افسردہ اور غموں کے مارے ہوئے ہیں۔ وہ اس دھرتی پر سماجی مساوات اور سماجی انصاف کے قائل ہیں اور استحصال کے خلاف مزاحمتی رویہ اپناتے ہیں۔ پنجابی میں انسانی زندگی سے جڑے مسائل اور مصائب کے حوالے سے مزاحمت کا ایک دِیا عاشق بزدار کی صورت میں بھی روشن ہوتا ہے۔ جنوبی پنجاب سے تعلق رکھنے والے عاشق بزدار کے ہاں انسانی مسائل اور دھرتی پر انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف یوں مزاحمتی رنگ ملتا ہے:

لالن!
میڈے من ماندے کوں
تیڈے آون دی چنتا ہئی
اپنی قیدن ماء دھرتی دی
پارت ہووی
ایندے دکھڑے سکھڑے سارے
آپ سنبھالیں (۲۳)

عاشق بزدار دھرتی پر ہونے والے مظالم اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے اس تحرک کو سامنے لاتے ہیں جو اس دھرتی کے باسیوں کو ان مسائل اور مصائب سے نجات دلا سکے۔ عاشق بزدار کی مزاحمتی شاعری پر رائے دیتے ہوئے ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

> " عاشق بزدار جس دھرتی سے تعلق رکھتا ہے، وہاں اسے اپنی شناخت، اپنی پہچان او راپنے تشخص کی طویل جنگ لڑنا پڑی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بھی زبان کا شاعر ہو محرومی اور جبر کے خلاف وہ توانا اور مؤثر انداز میں مزاحمت پر مجبور ہوتا ہے۔۔ ان کے شعری اظہارات اپنے جغرافیے، اپنی تاریخ اوراپنے معاشرتی ماحول کے تناظر میں مزاحمتی اور احتجاجی رویوں کا ایک واضح منظر نامہ پیش کرتے ہیں اور جبر کی اس صورت حال کی نشاندہی کرتے ہیں جس سے سے خود ان کی جغرافیائی حدود میں بسنے والے لوگوں، تاریخی جبر میں سانس لینے والے انسانوں کو استحصالی قوتوں کے خلاف لڑنے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"(۲۴)

پنجابی شاعری میں مزاحمت کے حوالے سے ایک اہم نام منیر نیازی کا ہے۔ منیر نیازی کا شمار ایسے شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے پنجابی اور اردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی اور دونوں زبانوں میں اپنا شعری مقام و مرتبہ منوانے میں کامیاب رہے۔ ان کے ہاں مزاحمت کے مختلف انداز ملتے ہیں۔ وہ سماجی ناہمواریوں اور جذبات و احساسات کی پامالی کے خلاف مزاحمتی رویہ اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کجھ انج وی اوکھیاں راہواں سن
کجھ گل وچ غماں دا طوق وی سی
کجھ شہر دے لوگ وی ظالم سن
کجھ مینوں مرن دا شوق وی سی (۲۵)

منیر نیازی کے ہاں سماجی خلفشار اور معاشرتی بدحالی کے خلاف کرب کا اظہار ملتا ہے جو انسان کو غمِ دوراں کے ساتھ غمِ ہستی سے بھی دوچار کر دیتا ہے۔ منیر نیازی ایسی معاشرتی بدحالی اور کرب کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عارف عبدالمتین کا نام پنجابی شعرا میں مزاحمتی شاعری کے حوالے سے ایک اہم نام شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں انسانی محرومیوں پر کرب کا اظہار مزاحمتی انداز میں ملتا ہے۔ وہ جس عہد کی ترجمانی کرتے ہیں اس عہد میں انسانی محرومیاں تسلسل سے بڑھتی چلی جاتی نظر آتی ہیں۔ عارف عبدالمتین نے ان انسانی محرومیوں کو انسانی اقدار کی پامالی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ان کے نزدیک جب سماج میں استحصالی عناصر شدت سے متحرک ہو جاتے ہیں تو سماج کے وہ طبقات جو پہلے ہی انسانی حقوق کی پامالی کا شکار ہوتے ہیں، وہ ان استحصالی عناصر کی وجہ سے انسانی محرومیوں کا شکار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سماجی منظر نامہ خاصا مکدر ہوتا چلا جاتا ہے۔ انہیں اپنا سماج ایک ایسی صورت میں دکھائی دیتا ہے جہاں ہر طرف محرومیوں کا چلن ہے۔ وہ اس صورت حال کے خلاف مزاحمتی رنگ میں یوں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں:

میرے چار چوفیرے چوکھا وڈا سارا تھل
جس وچ ہر پل اڈدی رہندی سڑی بلدی ریت

تھل دی ذات دا اک اک ذرا جانٹاں ہاں میں
اوہ دن دور نہیں اے جس دن
میرے خون دے پیاسے ذرے مینوں مار مکاون گے
میری اک اک نرم تے کومل پنی نوں
دھندی فیرے پاون گے (۲۶)

عارف عبدالمتین نے یہاں پنجاب کے تھل کے علاقے کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے تھل کے علاقے میں سڑدی بلدی ریت کو انسانی محرومیوں سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں دیکھا جائے تو تھل میں ریت کے ذرے لاتعداد اور بے شمار ہوتے ہیں۔ میلوں تک پھیلا ہوا صحرا اپنی ایک خاص وسعت رکھتا ہے۔ دوسری طرف تھل میں ان ریت کے ذروں کی وجہ سے ہی زندگی معدوم ہوتی چلی جاتی ہے۔ عارف عبدالمتین نے ان ذروں کو استحصالی عناصر یعنی خون دے پیاسے کہہ کر اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ استحصالی عناصر ہی محرومیوں کا سبب بنتے ہیں اور ان استحصالی عناصر کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ جس طرح تھل کے صحرا کی وسعت ہے اسی طرح یہ استحصالی عناصر بھی متنوع طرز کی کارستانیوں سے انسانی خون کے پیاسے ہو چکے ہیں۔

پنجابی شاعری میں طبقاتی تفریق اور اس طبقاتی تفریق کی وجہ سے ہونے والے سماجی استحصال کے خلاف ایک توانا آواز طارق عزیز کی صورت میں ابھری ہوئی۔ طارق عزیز کے ہاں جو مزاحمتی رویہ ابھرتا ہے، وہ طبقاتی تفریق کی وجہ سے سماج میں ہونے والے استحصال کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک سماج میں شروع ہی سے دو واضح طبقات بنے آئے ہیں۔ ایک ایسا طبقہ ہے جو طاقت اور اقتدار رکھتا ہے اور اس طاقت اور اقتدار کے ذریعے نچلے اور مظلوم طبقے کا استحصال کرتا ہے جب کہ وہ دوسرا وہ طبقہ ہے جو اس اعلیٰ طبقے کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ وہ اس طبقاتی تفریق پر یوں اپنے کرب کا اظہار کرتے ہیں:

مڈھ قدیم توں دنیا اندر
دو قبیلے آئے نیں
اک جنہاں نے نیں زہر نیں پیتے
اک اوہ جنہاں پلائے نیں (۲۷)

سماجی ظلم اور استحصال کے خلاف پنجابی شاعری میں ایک مزاحمتی آواز شوکت ہاشمی کی بھی ہے۔ شوکت سماج کے نچلے طبقے کی آواز بن کر ابھرے۔ وہ ظلم و استبداد اور سماجی ناانصافیوں کے خلاف توانا انداز میں مزاحمتی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کے ہاں مزاحمتی انسانی رویوں سے ہم آہنگ ہو کر ابھرتی ہے۔ وہ سماجی ظلم کے خلاف یوں مزاحمتی رنگ اختیار کرتے ہیں:

ظلم دی بائبل دے متھڑے اتے
اپنے مضبوط دستخط کرتیں
پنج لفظاں دی سطر لکھ چھوڑی
ظلم تو انحراف لکھدا ہاں
میکوں توفیق دے خداوندا

ظلم دی بائبل کوں پاڑ گھتاں
ورقہ ورقہ کراں تے ساڑ گھتاں(۲۸)

شوکت ہاشمی سماجی ظلم کے خلاف ہیں۔ وہ انہی سماجی رویوں کے خلاف مزاحمتی آواز بلند کرتے ہیں جن کی وجہ سے سماج میں ظلم واستحصال کا بازار گرم ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں سماجی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار معدوم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے سماج کا نچلا طبقہ زندگی کے حق سے ہی محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ پنجابی شاعری میں مزاحمت کے حوالے سے دیکھا جائے تو ایسے شعرا بھی سامنے آئے جنہوں نے ظالم اور جابر حکمرانوں کی کارستانیوں اور استحصالی کارروائیوں کے خلاف کھل کر اظہار کیا۔ ان شعرا میں اشو لال فقیر کا نام ایک ایسے مزاحمتی شاعر کے طور پر ابھرتا ہے جس کے ہاں حکمران طبقے کے ظالمانہ اقدامات، سفاکانہ رویوں اور شاطرانہ پالیسیوں کے خلاف مزاحمتی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں ایسے حکمرانوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، جو مخلوق کو محض قربانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

مونجھاں ڈاج وچھایا
درد صلیبیں کھارے چڑھیا
چڑھ سولی مسکایا
رات کچاوے اندر پا کے
لوکاں سمجھ پرنایا
سمجھ واپس نہ آیا(۲۹)

جدید عہد میں پنجابی کی مزاحمتی شاعری میں ایک توانا آواز احمد سلیم کی صورت میں ابھری۔ احمد سلیم کا شمار ایسے شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے عہد میں ایک طرف حکمران طبقے کی کارستانیوں کی وجہ سے انسانی حقوق کا پامالی کا مشاہدہ کیا تو دوسری طرف مارشل لاء کی آمریت کی صورت میں جمہوری اقدار کی پامالی بھی ان کے مشاہدے کا حصہ بنی۔ اس کے ساتھ ساتھ سماج میں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے کی تفریق، اور اس تفریق کی وجہ سے نچلے طبقے کے استحصال اور دیگر بہت سے منفی سماجی رویوں کا رواج اور سماجی رویوں کی وجہ سے سماجی استحصال اور سماج میں نچلے اور مظلوم طبقے کے مسائل سے آگاہی حاصل کی۔

"تیرے دل دی موت ویلے، میں آکھیا، محبت بورژوا بکواس اے
مزدور دی گل کرنی چاہیدی۔۔۔
میں بھل گیا محبت تے مزدوری کرداا ے
تے اوہنوں کتے وانگ صرف ہڈی دی لوڑ نہیں ہوندی
میں تیرے دل تے پیر رکھ کے اگے ودھ گیا(۳۰)

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پنجابی شاعری میں مزاحمت کی ایک طویل روایت موجود ہے، جس کا مکمل تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ پنجابی شعرا نے ہر طرح کے نامناسب رویوں، حکمران طبقے کی کارستانیوں، سماجی ناانصافیوں، طبقاتی تفریق اور دیگر بہت سے منفی اور مضر رجحانات کے خلاف مزاحمت کی ہے۔ یہ مزاحمت پنجابی شاعری کو فکری و موضوعاتی وسعت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ سماجی اور انسانی حقوق کا علم بھی بلند کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بشیر احمد صدیقی، پروفیسر، جواہر اللغات، لاہور، کتابستان پبلشنگ کمپنی، س ن، ص:۱۲۴

۲۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت، لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۷۶ء، ص:۲۶۷

۳۔ سید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ، جلد چہارم، لاہور، مرکزی اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء، ص:۲۷۱

۴۔ فیروزالدین، فیروز اللغات، لاہور، فیروز سنز، چھٹا ایڈیشن، ۱۹۷۸ء، ص:۱۶۷

۵۔ وارث سرہندی، قاموس مترادفات، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۵ء، ص:۱۸۹

6. A.S Hornby & Co. authors, Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English, 4th, Oxford University press, 1986, P:231

7. Barbra Harlow, Resistance Literature, Methuen, New York, 1987, P:3

۸۔ حسن رضوی، ڈاکٹر، مرتب، شہرت بخاری سے انٹرویو، بحوالہ اندازِ گفتگو، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص:۲۲۹

۹۔ صادق آئینہ مند، ڈاکٹر، ادبیاتِ مقاومت، بحوالہ کیہان (فارسی رسالہ) سال ہشتم، شمارہ ۷، س ن، ص:۳۴

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۶۲۲

۱۱۔ انیس ناگی، مشاہدات، لاہور، مکتبہ جمالیات، ۱۹۹۳ء، ص:۴۲

۱۲۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، اردو نظم کے پچاس سال، مشمولہ، پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال، مرتبہ ڈاکٹر نوازش علی،، راولپنڈی، ۱۹۹۷ء، ص:۸۳

۱۳۔ ابرار احمد، مزاحمتی ادب، مشمولہ، مزاحمتی ادب اردو، مرتبہ رشید امجد، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۵ء، ص:۴۹

۱۴۔ محمد اسلم فرخی، ڈاکٹر، مترجم، جرمن ادب پارے، کراچی، شہرزاد، س ن، ص:۳۴۶

۱۵۔ ایضاً، ص:۳۴۷

16.Karl Marx, Frederick Engels, Collection works, V.1 Moscow, Progress publishers, 1975, p77

۱۷۔ صادق آئینہ وند، ڈاکٹر، ادبیات مقاومت، ص:۳۴

۱۸۔ خیال امروہوی، ڈاکٹر، مزاحمتی ادب اور ہمارا دانشور، لاہور، سپوتنک، ۱۹۹۸ء، ص:۱۰۷

۱۹۔ شریف کنجاہی، پروفیسر، پاکستانی پنجابی شاعری، لاہور، محکمہ اطلاعات و ثقافت و امور نوجوانان، حکومت پنجاب، ۱۹۹۹ء، ص:۱۷۱

۲۰۔ سلطان باہو، سلطان باہو کا کلام، آن لائن

۲۱۔ بلھے شاہ، کلام بلھے، ص:۵

۲۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر پیلھوں، ملتان، پیلھوں پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، شمارہ ۷، ص:۲۵۵

۲۳۔ ایضاً، ص:۳۱۵

۲۴۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی وچ مزاحمتی شاعری، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۱۷ء، ص:۱۸

۲۵۔ منیر نیازی، سفر دی رات، لاہور، الوقار پبلشرز، ۱۹۸۷ء، ص:۱۷

۲۶۔ عارف عبدالمتین، مشمولہ، پاکستانی پنجابی شاعری، مرتبہ، شریف کنجاہی، ص:۱۷۱
۲۷۔ طارق عزیز، مشمولہ، پاکستانی پنجابی شاعری، مرتبہ شریف کنجاہی، ص:۲۴۸
۲۸۔ شوکت ہاشمی، مشمولہ، سرائیکی وچ مزاحمتی شاعری، مرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، ص:۱۱۷
۲۹۔ اشولال، چھیڑو ہتھ نہ مرلی، ملتان، سرائنکی ادبی بورڈ، ۲۰۱۱ء، ص:۳۹
۳۰۔ احمد سلیم، کلیات احمد سلیم (پنجابی)، مرتبہ، ڈاکٹر حمیرا اشفاق، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء، ص:۲۹۹

References in Roman Script:

1. Basheer Ahmad Siddiqi, Professor, *Jawahar-ul-Lughat*, Lahore: Kitabistan Publishing Company, s.n., p.124.
2. Waris Sarhindi, *Ilmi Urdu Lughat*, Lahore: Ilmi Kutub Khana, 1976, p.267.
3. Syed Ahmad Dehlvi, Maulvi, *Farhang-e-Asfiya*, Vol. IV, Lahore: Markazi Urdu Lughat Board, 1977, p.271.
4. Feroz-ud-Din, *Feroz-ul-Lughat*, Lahore: Ferozsons, 6th edition, 1978, p.167.
5. Waris Sarhindi, *Qamoos-e-Mutaradifat*, Lahore: Urdu Science Board, 1985, p.189.
6. A. S. Hornby & Co. (authors), *Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English*, 4th ed., Oxford: Oxford University Press, 1986, p.231.
7. Barbra Harlow, *Resistance Literature*, New York: Methuen, 1987, p.3.
8. Hasan Rizvi, Dr. (Murattib), *Shahrat Bukhari se Interview*, bihawala *Andaz-e-Guftagu*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1998, p.229.
9. Sadiq Aina Mand, Dr., *Adabiyat-e-Muqawamat*, bihawala *Keyhan* (Farsi Risala), Saal Hashtam, Shumara 7, s.n., p.34.
10. Saleem Akhtar, Dr., *Urdu Adab ki Mukhtasir Tareen Tareekh*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006, p.622.
11. Anees Nagi, *Mushahidaat*, Lahore: Maktaba Jamaliyat, 1993, p.42.
12. Khwaja Muhammad Zakariya, Dr., *Urdu Nazm ke Pachas Saal*, mashmoola *Pakistan mein Urdu Adab ke Pachas Saal*, murattib Dr. Nawazish Ali, Rawalpindi, 1997, p.83.
13. Abrar Ahmad, *Mazahimati Adab*, mashmoola *Mazahimati Adab Urdu*, murattib Rasheed Amjad, Islamabad: Academy Adabiyaat Pakistan, 1995, p.49.
14. Muhammad Aslam Farukhi, Dr. (Mutarjim), *German Adab Pare*, Karachi: Sheherzad, s.n., p.346.
15. Izaan, p.347.
16. Karl Marx & Frederick Engels, *Collected Works*, Vol. 1, Moscow: Progress Publishers, 1975, p.77.
17. Sadiq Aina Wand, Dr., *Adabiyat-e-Muqawamat*, p.34.
18. Khayal Amrohvi, Dr., *Mazahimati Adab aur Hamara Danishwar*, Lahore: Sputnik, 1998, p.107.
19. Shareef Kunjahi, Professor, *Pakistani Punjabi Shayari*, Lahore: Department of Information, Culture and Youth Affairs, Government of Punjab, 1999, p.171.
20. Sultan Bahu, *Kalam Sultan Bahu*, Online.

21. Bulleh Shah, *Kalam Bulleh Shah*, p.5.
22. Anwar Ahmad, Dr., *Pelhon*, Multan: Pelhon Publications, 2014, Shumara 7, p.255.
23. Izaan, p.315.
24. Tahir Toonsvi, Dr., *Saraiki vich Mazahimati Shayari*, Multan: Saraiki Adabi Board, 2017, p.18.
25. Munir Niazi, *Safar di Raat*, Lahore: Al-Waqar Publishers, 1987, p.17.
26. Aarf Abdul Mateen, mashmoola *Pakistani Punjabi Shayari*, murattib Shareef Kunjahi, p.171.
27. Tariq Aziz, mashmoola *Pakistani Punjabi Shayari*, murattib Shareef Kunjahi, p.248.
28. Shaukat Hashmi, mashmoola *Saraiki vich Mazahimati Shayari*, murattib Dr. Tahir Toonsvi, p.117.
29. Ashu Lal, *Chheerr Wath na Murli*, Multan: Saraiki Adabi Board, 2011, p.39.
30. Ahmad Saleem, *Kulliyat Ahmad Saleem (Punjabi)*, murattib Dr. Humaira Ashfaq, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2021, p.299.